اردو (لازمی)

بارھویں جماعت کے لیے

Free From Government
NOT FOR SALE

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

محمود ثاقب

اُردو (لازمی)

بارھویں جماعت کے لیے

Stats	اُردو	اکنامکس HP	Poks	انگلش	اسلا
=	معزات	=	=	=	=
	34			29	

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

جملہ حقوق بحق لیڈنگ پبلشرز محفوظ ہیں

منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبۂ نصاب) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

بمطابق: قومی نصاب 2006ء

مراسلہ نمبر F.1-22/2010-Urdu مؤرخہ 04-04-2011

مؤلف: پروفیسر محمد جمال

سرپرستی: سید بشر حسین شاہ ناظم، نظامت نصاب و تعلیمِ اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

نظر ثانی و ترامیم: حمیدہ طاہرہ جبین، ایس ایس۔ ڈی سی ٹی ای، ایبٹ آباد

سائرہ بی بی، ایس ایس، گورنمنٹ گرلز ہائی سیکنڈری سکول حاجیہ گلی ایبٹ آباد

مشتاق احمد، پروفیسر، گورنمنٹ کالج خان پور (ہری پور)

اعجاز خان، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج منڈیاں ایبٹ آباد

احمد رشید، ایس ایس۔ ٹیکسٹ بک بورڈ خیبر پختونخوا پشاور

مدیر: سلیم اللہ علوی، ماہرِ مضمون (اُردو) خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

زیر نگرانی و رہنمائی: عصمت اللہ خان گنڈاپور، چیئرمین

سعید الرحمٰن، ممبر (ای اینڈ پی)

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

تعلیمی سال 21-2020ء

ویب سائٹ: www.kptbb.gov.pk

ای میل: membertbb@yahoo.com

فون نمبر: 091-9217159-60

حاصلاتِ تعلّم

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

* اُردو میں منثور اور منظوم کلام کی حُسن و قبح کے ساتھ پہچان کرسکیں۔
* عبارت کو استحسانی اور تنقیدی نقطۂ نظر سے پڑھ سکیں اور ادبی محاسن (علمِ بیان، علم بدیع) کے حوالے سے عام اور ادبی تحریر میں فرق کرسکیں۔
* روز مرّہ مشاہدات وتجربات کو قواعد کے مطابق درست طور پر تحریر کرسکیں۔
* دفتری احکامات، قانونی فیصلے، وکالت نامہ اور دیگر سرکاری اور قانونی اصطلاحات کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔
* ادب پارے کا مرکزی خیال ،بنیادی نِکات اور دیگر تشریحات تنقیدی اُصولوں کے تحت کر سکیں اور اقوال و اشعار کا حوالہ دے سکیں۔
* اخبارات و رسائل کے کسی بھی متن پر جامع تبصرہ لکھ سکیں۔
* کسی عبارت کو پڑھ کر اُس پر رائے دے سکیں اور عبارت میں موجود اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے درست کرسکیں۔
* کسی بھی ادبی یا علمی موضوع پر درست تلفّظ کے ساتھ کم ازکم دس منٹ تک لکھی ہوئی تقریر پڑھ سکیں۔
* کسی بھی علمی یا ادبی موضوع پر استدلال، مثالوں، مقولوں، مترادفات، اشعار و محاورات اور روزمرّہ کے مطابق کم از کم پانچ سو الفاظ کا مضمون لکھ سکیں۔
* شعری ونثری اصطلاحات مثلاً علمِ بیان ، معاون افعال،صنائع بدائع کی پہچان اور مرکّب جملوں کا درست استعمال کرسکیں۔
* مختلف علوم اور پیشوں کی اصطلاحی لغات اور عام لغات کا استعمال سیکھ سکیں ۔

NOT FOR SALE

﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست

حصہ نثر

شمار	عنوان	مصنف	صفحہ
۱۔	مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم	شبلی نعمانی	۱
۲۔	سُقراط	مہدی افادی	۱۰
۳۔	فاقہ میں روزہ	خواجہ حسن نظامی	۱۶
۴۔	پھر وطنیت کی طرف	مولانا صلاح الدین احمد	۲۶
۵۔	شہرتِ عام اور بقائے دوام کا دربار	محمد حسین آزاد	۳۳
۶۔	چند روز ایک روڈ رولر کے ساتھ	ڈاکٹر وزیر آغا	۴۷
۷۔	منظور	سعادت حسن منٹو	۵۴
۸۔	کتبہ	غلام عباس	۶۶
۹۔	مائیں	احمد ندیم قاسمی	۷۸
۱۰۔	سیاہ فام	شوکت صدیقی	۸۷
۱۱۔	محسن محلّہ	اشفاق احمد	۹۸
۱۲۔	کنڈکٹر	الطاف فاطمہ	۱۰۶
۱۳۔	ایک وصیت کی تعمیل	فرحت اللہ بیگ	۱۱۹
۱۴۔	علامہ اقبالؒ	چراغ حسن حسرتؔ	۱۳۳
۱۵۔	طائرِ لاہوتی	فارغ بخاری	۱۴۵
۱۶۔	مرید پور کا پیر	پطرس بخاری	۱۵۴
۱۷۔	حاجی اورنگ زیب خان	مشتاق احمد یوسفی	۱۶۸

حصۂ نظم

شمار	عنوان	شاعر	صفحہ
۱۔	جوابِ شکوہ	علامہ اقبال	۱۸۷
۲۔	بڑھے چلو	اختر شیرانی	۱۹۴
۳۔	مناظرِ سحر	جوش ملیح آبادی	۱۹۸
۴۔	شکست کی آواز	میرا جی	۲۰۳
۵۔	ستارے	ن۔م۔ راشد	۲۰۷
۶۔	نفیرِ عمل	مجید امجد	۲۱۱
۷۔	ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں	منیر نیازی	۲۱۵
۸۔	بڑے ڈرپوک ہو	وزیر آغا	۲۱۸

حصۂ غزل

۹۔	جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں	علامہ اقبال	۲۲۲
۱۰۔	کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہات میں تیرا ہات نہیں	فیض احمد فیض	۲۲۵
۱۱۔	کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مرجاؤں گا	احمد ندیم قاسمی	۲۲۸
۱۲۔	سفرِ منزلِ شب یاد نہیں	ناصر کاظمی	۲۳۰
۱۳۔	آکے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے	شکیب جلالی	۲۳۲
۱۴۔	لب کشا لوگ ہیں، سرکار کو کیا بولنا ہے	احمد فراز	۲۳۵
۱۵۔	مل کے بیٹھے نہیں، خوابوں میں شراکت نہیں کی	ظفر اقبال	۲۳۸
۱۶۔	نہ سہی کچھ مگر اتنا تو کیا کرتے تھے	شہزاد احمد	۲۴۲

فرہنگ ۲۳۹

مولانا شبلی نعمانی

ولادت: ۱۸۵۷ء

وفات: ۱۹۱۴ء

مولانا شبلی نعمانی اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ سے حاصل کرنے کے بعد عربی و فارسی ادب کی تحصیل کے لیے غازی پور جا کر مولوی محمد فاروق کے شاگرد ہو گئے۔ اُنھوں نے حصولِ تعلیم کے لیے دُور دراز کے سفر کیے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اُنھوں نے وکالت شروع کی اور کچھ عرصہ امین دیوانی کی حیثیت سے کام کیا، لیکن جلد ہی طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ سرسید سے ملاقات کے بعد وہ علی گڑھ کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ شبلی نعمانی نے مختلف ممالک کے سفر بھی کیے۔ علی گڑھ کالج سے علاحدگی کے بعد اُنھوں نے دارالمصنفین کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ اسلام اور اسلامیات کے لیے ممتاز تھا۔

شبلی نعمانی ایک نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ بیک وقت شاعر، مؤرخ، سوانح نگار، انشا پرداز، مفکر اور مصلح تھے۔ وہ سرسید کے دبستان سے وابستہ تھے لیکن اُن کا اسلوب اور طرزِ بیان منفرد ہے۔ وہ اپنی تحریر میں تشبیہات اور استعارات کا بخوبی استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی عبارت مختصر اور پُر جوش ہے۔ تحریر میں روانی اور دلکشی ہے۔ وہ اپنی بات کو منطقی استدلال اور عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اُن کو اُردو کا پہلا مؤرخ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اُن کی تاریخ نگاری کی بنیاد تحقیق اور سند پر ہے۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ "سیرت النبی ﷺ" ہے۔ اگرچہ وہ اس تصنیف کو اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے ہونہار شاگرد سید سلیمان ندوی نے اس کی تکمیل کی۔

تصانیف: سیرۃ النبی ﷺ، الفاروقؓ، المامون، الغزالی، سیرت النعمان، شعر العجم وغیرہ

NOT FOR SALE

مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم

۱۳۵ھ تک یعنی جب تک تصنیف وتالیف شروع نہیں ہوئی تھی جو تعلیم وتعلّم تھی، وہ عرب کے سادہ اور نیچرل طرزِ زندگی کے لیے موزوں تھی۔ علوم وہ تھے، جن کو حافظہ سے زیادہ تر تعلق تھا۔ بحث طلب مسائل بھی معمولی فہم کی دسترس سے باہر نہ تھے اور طرزِ تعلیم تو بالکل وہی تھا، (یعنی سند و روایت) جو قدیم زمانے سے ان میں رائج تھا، لیکن سو برس کی مدت میں تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا اور اسی نسبت سے تعلیم بھی زیادہ وسیع اور مرتب و باقاعدہ ہو چلی۔ اس دور میں جن علوم کو رواجِ عام حاصل ہوا وہ نحو، معانی، لغت، فقہ، اصول، حدیث، تاریخ، اسماء الرجال، طبقات اور ان کے متعلقات تھے۔ عقلی علوم کا سرمایہ گو بہت کچھ جمع ہو گیا تھا مگر رواجِ عام نہ حاصل کر سکا، جس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت نے اس کی اشاعت پر چنداں زور نہیں دیا اور عام ملک کو کچھ ناواقفیت، کچھ مذہبی غلط فہمی کی وجہ سے فلسفہ و منطق کے ساتھ ہمدردی نہ تھی۔

تعلیم کا یہ دوسرا دور عجیب دلچسپیوں سے بھرا ہے۔ دیکھو دریائے سندھ کے کنارے تک اسلام حکومت کر رہا ہے۔ سیکڑوں قبیلے ریگستانِ عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ بہت سی قومیں، دلی ذوق سے اسلام کے حلقے میں داخل ہو رہی ہیں لیکن اب تک اس وسیع دنیا میں سلطنت کی طرف سے نہ کوئی سررشتۂ تعلیم ہے نہ یونیورسٹیاں ہیں، نہ مدرسے ہیں۔ عرب کی نسلیں حکمران ہیں مگر حکومت ایسی بے تعلق اور اوپری ہے کہ ملک کے عام اخلاق، معاشرت، تمدن پر فاتح قوم کی تہذیب کا اثر چنداں نہیں پڑ سکتا۔ تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے۔ ان سب باتوں پر دیکھو کہ علوم وفنون کس تیزی اور وسعت سے بڑھتے جاتے ہیں۔ مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس، بغداد، مصر، شام، اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صداؤں سے گونج اٹھا ہے۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکتب قائم ہیں جن میں سلطنت کا کچھ

بھی حصہ نہیں ہے اور جو آج کل کے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہیں۔ اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، علما کے ذاتی مکانات ہیں لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں جس وسعت اور فیاضی کے ساتھ علم کی تربیت ہو رہی ہے بڑے بڑے عالی شان قصر و ایوان میں بھی جو پانچویں صدی کے آغاز میں اس غرض سے تعمیر ہوئے، اس سے کچھ زیادہ نہ ہو سکی۔ اگرچہ اس وقت اُس زمانے کا کوئی رجسٹر موجود نہیں، جس سے ہم حساب لگا سکیں کہ فیصدی کتنے آدمی تعلیم یافتہ تھے لیکن تذکرے، تراجم، اسماء الرجال، طبقات کی سیکڑوں، ہزاروں کتابیں موجود ہیں جن سے ہم صحیح اندازے کے قریب پہنچ سکتے ہیں۔ اگرچہ متواتر انقلابات، تخت گاہوں کی بربادی، سپین کی تباہی، تاتار کی عام غارت گری کے بعد ہمارے پاس جو کچھ رہ گیا ہے وہ ہزار میں ایک بھی نہیں ہے اور اس وجہ سے ہزاروں لاکھوں ناموروں کی صورتیں زمانے کی تاریخی نگاہ سے چھپ گئی ہیں، تاہم ہر عہد میں ہم سیکڑوں ماہرین و مجتہدین فن کا نشان دے سکتے ہیں۔ صرف ہم عصر و ہم وطن اہلِ کمال کی فہرست تیار کی جائے تو بھی بہت سی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر سپرنگر[1] صاحب تخمینہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور عالموں کا حال ل سکتا ہے۔ اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں کس نسبت سے ایک صاحبِ کمال پیدا ہوتا ہے تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہو سکتا ہے۔

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو۔ ایک ایک اُستاد کے حلقۂ درس میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علم مشغولِ درس نظر آئیں گے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن میں دس ہزار سے زائد دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیثِ نبوی لکھتے تھے۔ اس بڑے مجمع میں دو سو امام حاضر ہوتے تھے، جو اجتہاد اور فتویٰ دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔

اُس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے، یعنی املا، جس کو اُردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں۔ اُستاد ایک بلند مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا

---

[1] Sprenger -

شروع کرتا تھا۔ طالب علم جو ہمیشہ قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظوں میں لکھتے جاتے تھے اور اس طرح ہر ایک کی مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دور دراز مسافتوں کا طے کرنا اور متعدد اہلِ کمال کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ مشہور اہلِ فن کی لائف چھان ڈالو۔ اس زمانے میں ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اُٹھائے بغیر اپنے فن میں نامور ہو اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ میں گو ہر فن کے کامل شناسا موجود تھے مگر ان شہروں کے رہنے والے بھی مشرق مغرب کی خاک چھانے بغیر نہیں رہتے تھے۔ علامہ مقرّی کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ انھی علما کے حالات میں ہے جو سپین سے مصر و شام و بغداد گئے یا ان مقامات سے چل کر سپین میں داخل ہوئے۔ جس کثرت اور جوش و سرگرمی سے تعلیم کے لیے ہمیشہ مسلمان سفر کرتے رہے ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے۔

دوسری چیز جو اعلیٰ تعلیم کے لیے گویا لازمی تھی، مناظرہ کی مجلسوں میں شریک ہونا تھا۔ مشہور شہروں میں بحث و مناظرے کے لیے خاص وقت اور مقام مقرر تھے۔ بعض امرا اس قسم کی مجلسیں اپنے مکانوں میں منعقد کرتے تھے۔ فقہ، ادب، نحو وغیرہ ہر علم کے لیے جداگانہ مجلسیں تھیں۔ ان میں علما اور طلبہ دونوں شریک ہوتے تھے اور کوئی ممتاز عالم بحث کے تصفیے کے لیے انتخاب کیا جاتا تھا۔ یہ جلسے، جن میں زیادہ تر حق پسندی اور انصاف کا استعمال ہوتا تھا، معمولی نصابِ تعلیم ختم کرنے کی نسبت بہت زیادہ مفید تھے۔ تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد اُستاد ایک تحریری سند عطا کرتا تھا، جس میں اس کی تعلیم کی ایک اجمالی کیفیت اور درس دینے کی اجازت لکھی ہوتی تھی۔ اس سند میں وہ طیلسان پہننے کی بھی اجازت دیتا تھا جو علما کا مخصوص لباس تھا۔ تعلیم کی وسعت کے متعدد اسباب تھے:

(۱) دینی تعلیم مذہب کا ایک ضروری جز بن گئی تھی۔ قرآن و حدیث (جن پر مذہب کی بنیاد تھی) عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اتنے تعلق سے نحو، صَرف، لغت، معانی، اسماء الرجال بھی گویا مذہبی تعلیم کے ضروری اجزا تھے۔ فلسفے نے علمِ کلام کی صورت میں مذہبی علم ہونے کی عزت حاصل

کی تھی۔ اب خیال کرو کہ ایک قوم، جس میں اسلام کا جوش ابھی تازہ ہے، جس کی رگوں میں ہنوز عرب کا لہو ہے، جس کی ہمتیں بلند، ارادے مستقل، حوصلے وسیع ہیں اور پیہم ملکی کامیابیوں نے اُس کے جوش کو زیادہ تیز کر دیا ہے، جب کسی کام پر پوری توجہ سے مائل ہوگی، تو اسے کس حد تک پہنچا کر رہے گی۔ عرب کے سوا دوسری قومیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں، مذہب نے ان کو بھی انھیں سرگرم جذبات سے بھر دیا تھا، جو عرب کے ذاتی خاصے تھے۔ یہی بات ہے کہ نحو، لغت، حدیث، اصول فقہ، فلسفہ کے امام و پیشوا قریباً کل عجمی ہیں۔

(۲) تعلیم، مسجدوں اور علما کی خاص درسگاہوں میں مقید نہ تھی۔ وزرا، حکام، فوجی افسر، اہلِ منصب ہر طبقے کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے۔ وزارت کے کثیر الاشغال وقت میں بھی بوعلی سینا کی خدمت میں مستعد طلبہ کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا۔

(۳) تعلیم میں نہایت آزادی تھی۔ کسی مقررہ نصاب کی پابندی ضروری نہیں تھی۔ جو شخص، جس خاص فن کو چاہتا تھا، حاصل کر سکتا تھا۔ اہلِ کمال کے زمرے میں سیکڑوں گزرے ہیں، جو ایک فن میں امام تھے اور دوسرے فنون میں معمولی طالب علم کا بھی درجہ نہیں رکھتے تھے۔

(۴) امرا اور اہلِ منصب کا گروہ جو شائقینِ علم کی سرپرستی کرتا تھا، عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا۔ تعلیم کی اشاعت کا یہ بہت بڑا سبب تھا۔ سلاطین و وزراء، تو ایک طرف، معمولی سے معمولی رئیس کی خدمت میں سیکڑوں ادیب و فاضل موجود ہوتے تھے اور چونکہ اُن کی تنخواہیں کسی خدمت کے صلے میں نہیں بلکہ صرف ان کا ذاتی کمال اور قبولِ عام مہنگے داموں خریدا جاتا تھا۔ تمام ملک میں لیاقت اور شہرت پیدا کرنے کا عام جوش پھیل گیا تھا۔ تصنیفات میں زورِ طبع کے ساتھ تحقیق و احتیاط کا لحاظ اس لیے زیادہ تر کرنا پڑتا تھا کہ جن قدر دانوں کے سامنے پیش کرنا ہے وہ خود صاحب النظر اور نکتہ چیں ہیں۔

مدرسوں کے قائم ہونے نے دفعتاً کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ نصابِ تعلیم قریباً وہی رہا جو پہلے تھا۔

پرائیویٹ تعلیم گاہیں عموماً قائم رہیں اور حق یہ ہے کہ جب تک ان پر کچھ زوال نہیں آیا تعلیم بھی نہایت وسعت سے جاری رہی لیکن رفتہ رفتہ ان مدرسوں میں خاص خاص قاعدوں کی پابندیاں شروع ہوئیں اور سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں تو گویا تعلیم کا ایک جداگانہ قانون پاس کیا گیا۔ آٹھویں صدی سے پہلے فارغ التحصیل ہونے کے لیے ایک خاص مدت معین ہو چکی تھی، گو ملکوں کے اعتبار سے مختلف تھی۔ مثلاً مغرب (مراکو) وغیرہ میں سولہ برس اور تیونس میں پانچ برس طالب علم کو تعلیم گاہ میں رہنا لازمی تھا۔ املا کا طریقہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہا۔ تیسرے دور میں اس بات نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا کہ جو فن مقصود بالذات نہ تھے مثلاً نحو، صرف، منطق وامثال ذالک ان کی تعلیم میں وہ اہتمام اور موشگافیاں ہونے لگیں کہ عمر کا ایک بڑا حصہ انھیں کی نذر ہو گیا اور اتنا وقت نہ مل سکا کہ جن علوم کی تکمیل مقصود اصلی تھی ان پر پوری توجہ ہو سکتی۔ تصانیف کی کثرت اور ان کا درس میں داخل ہونا، اس بات نے بھی نہایت ضرر پہنچایا۔ پہلے اور دوسرے دور میں زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی، لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد ڈالی، جس میں اصلی مسائل سے زیادہ کتاب کی عبارت اور ان کے متعلقات سے بحث ہوتی تھی۔ ان مدرسوں میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم کا بہت کم اہتمام تھا اور اکثر نامور مدرسوں میں ان علوم نے رسائی ہی نہیں پائی۔

انقلابات حکومت جو کثرت سے ممالکِ اسلامی میں ہوا کیے۔ ان مقاصد کے لیے اکثر مفید ثابت ہوئے۔ ایک خاندان کلیتاً برباد ہو جاتا تھا مگر اس کے علمی آثار اکثر محفوظ رہتے تھے۔ جو مواضع اور علاقے مدرسوں پر پہلے وقف ہو چکے تھے، دوسری نئی حکومت ان کو غصب نہیں کر سکتی تھی۔ ہلاکو خاں نے نہ صرف بغداد کو غارت کیا بلکہ تمام ممالکِ اسلامی کو برسوں تک بے چراغ کر دیا۔ تاہم اوقاف میں کچھ تصرف نہ کر سکا۔ اس نے بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف، محقق طوسی کے ہاتھ میں دیے جس کا بہت بڑا حصہ محقق موصوف نے رصد خانے کی تعمیر میں صرف کیا۔ ممالکِ اسلامی میں جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی، تو اس کو استحکامِ سلطنت اور عظمت وجلال قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ مدرسوں کی تعمیر اور علم کی اشاعت میں پچھلی حکومتوں سے زیادہ فیاضیاں دکھائے۔

ہم نے اس آرٹیکل میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مدرسوں کے حالات لکھے ہیں مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کا اندازہ کرنے کا یہ نہایت چھوٹا پیمانہ ہے۔ ہماری علمی فیاضیوں اور ایجادات وصنائع کو مدرسوں کے احاطے سے باہر ڈھونڈنا چاہیے۔ مدرسوں کی کثرت اور عالمگیر رواج نے بھی پرائیوٹ تعلیم گاہوں کی تعداد کو کم نہیں کیا۔ ۷۴۸ھ میں جب کہ مصر مدرسوں اور دارالعلوم سے معمور تھا، خود مصر کی ایک جامع مسجد میں چالیس سے زائد حلقۂ درس تھے، جن میں ہر قسم کے علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے۔

میں نے اس آرٹیکل میں اس بات سے قصداً پرہیز کیا ہے کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب وتاب سے لکھوں۔ قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا ہے یہ بھی اس کے چہرے پر نہیں کھلتا۔ سلف کے مفاخر کا ہم کیا ذکر کر سکتے ہیں۔ ہم نے جب خود کچھ نہیں کیا، تو اس سے کیا حاصل کہ سلف نے بہت کچھ کیا تھا۔

(مقالاتِ شبلی)

مشق

۱۔ سوالات کے جوابات لکھیں۔

(الف) ۱۴۵ھ سے پہلے مسلمانوں کا طرزِ تعلیم کیسا تھا؟

(ب) مسلمانوں کے طرزِ تعلیم کے دوسرے دور پر روشنی ڈالیں۔

(ج) مسلمانوں کے تیسرے دورِ تعلیم میں کیا خرابیاں پیدا ہوئیں؟

(د) مسلمانوں کی تعلیم وتدریس کے مراکز کون کون سے تھے؟

(ہ) تعلیم کے لیے جداگانہ قانون کس زمانے میں بنایا گیا؟

۲۔ خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) علوم وہ تھے جن کو ________ سے زیادہ تر تعلق تھا۔

(ب) مذہبی ________ کی وجہ سے فلسفہ اور منطق سے ہمدردی نہ تھی

(ج) دریائے سندھ کے کنارے تک ________ حکومت کر رہا تھا۔

(د) مناظرہ کی مجلسوں میں شرکت ________ کے لیے ضروری تھا۔

(ہ) تیسرے دور نے ________ تعلیم کی بنیاد ڈالی۔

۳۔ درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں اور معنی لکھیں۔

معمور، دفعتاً، عجمی، غارت گری، مجتہدین،

۴۔ موجودہ تعلیمی اور امتحانی نظام کے حُسن و قبح پر ایک مفصّل مضمون لکھیں۔

رُموزِ اوقاف:

رَمز ایما و اشارہ کو کہتے ہیں، رُموز اس کی جمع ہے جب کہ وقف کے معنی الگ کی ہوئی چیز کے ہیں۔ ''گرامر / قواعد کی اصطلاح میں اُن علامتوں کو ''رموزِ اوقاف'' کہتے ہیں جو دو لفظوں، دو فقروں یا جملوں کو ایک دوسرے سے علیٰحدہ کریں''۔ تحریر میں وقفہ یا ٹھہراؤ کے لیے مخصوص علامات لگائی جاتی ہیں تاکہ مطلب واضح ہو سکے اور تحریر میں اُلجھاؤ پیدا نہ ہو، ان علامات کے استعمال سے قاری کو عبارت سمجھنے اور پڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ تحریر میں یہ علامتیں موجود نہ ہوں تو پوری عبارت صرف مسلسل الفاظ کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

اِن علامات کو مختلف مشقوں میں مع تعریف شامل کیا گیا ہے۔

رابطہ: (:)

- اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں جملے کی کسی سابق بات یا خیال کی تشریح یا تصدیق کی ضرورت ہو۔

بقول شاعر: ع آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیے

- کسی مختصر مقولے یا کہاوت کو بیان کرنا ہو یا تمہیدی جملے کے بعد یہ علامت آتی ہے۔

سالک صاحب نے کیا خوب کہا ہے: تندرستی ہزار نعمت ہے۔

- دو ایسے جملوں کے درمیان جو ایک دوسرے کی ضد ہوں لیکن دونوں مل کر جملہ پورا کریں۔ مثلاً:-

انسان چل سکتا ہے: اُڑ نہیں سکتا

تفصیلیہ: (:-) یہ لفظ تفصیل سے نکلا ہے۔ جس کے معنی، تشریح کرنا یا فہرست کے ہیں۔ یہ علامت وہاں لگائی جاتی ہے جہاں مثال، فہرست یا کوئی تفصیل بیان کرنی ہو مثلاً:-

- لائبریری کے لیے خریدی گئی کتابوں کی تفصیل یہ ہے:-

دیوانِ غالب، کلیاتِ اقبال، نسخہ ہائے وفا، آبِ گم

- کسی عبارت میں مثال پیش کی جائے۔ مثلاً:-

حروفِ اضافی سے ملنے والے مرکباتِ اضافی کہتے ہیں۔

مثلاً:- خالد کا گھر، گاڑیوں کا ورکشاپ وغیرہ

- جب کسی عبارت میں تفصیل لکھنی ہو تو بھی تفصیلیہ لگاتے ہیں جیسے:-

ذرا میری روداد سنو:- میں ٹھیک نو بجے گھر سے نکلا، بس سٹاپ پر کھڑا ہوا---------

۵۔ درج بالا علامات کو استعمال کرتے ہوئے ہر علامت کی دو دو مثالیں دیں۔